سے جن بھی افراد یا جماعتوں سے چاہیں، استفادہ اور رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

اسی طرح اساتذہ کی ایسی تنظیمیں جو اسلامی فلسفہ تعلیم، مسلم ماہرین تعلیم کے افکار اور تعلیمی مباحث و مسائل پر رہنمائی مہیا کرتی ہوں، اساتذہ اور طلبہ کو اسلامی نظریہ تعلیم کے تحت رہنمائی دیتی ہوں، وہ تو بہت بڑا اثاثہ ہیں۔ نا جائز یہ بھی نہیں کہ کسی استاد کی بے جا حمایت و مخالفت کے متعلق یا طلبہ پر ہونے والی کسی زیادتی کے متعلق، یا تعلیمی پالیسی کی کسی حکومتی غلطی کی طرف یا استادوں کے حقوق کی طرف وہ توجہ دلائیں۔

جہاں جمہوری نظام ہوگا وہاں یونینیں اور تنظیمیں تو ہر شعبے میں ہوں گی۔ ہمیں صرف یہ کرنا ہے کہ انہیں اسلامی فکر و اخلاق کے چینل میں رہنے پر آمادہ کریں۔

یقین جانیے کہ اسلامی نظامِ تعلیم کم سے کم تعلیمی ایڈمنسٹریشن میں اپنی نشوونما کے لیے دیانت اور شرافت کا جو رنگ چاہتا ہے، وہ اگر پیدا کر لیا جائے تو پھر تعلیم گاہوں میں کوئی تصادم باقی نہیں رہ سکتا۔ یہ رنگ جب پھیلے گا تو استادوں اور طلبہ سب کی روحوں پر چھا جائے گا۔ اور یہ کام نہ ہو سکے تو آپ یونینیں توڑیں یا بنوائیں، کبھی پُرسکون تعلیمی ماحول پیدا نہ ہوگا، اور نہ اسلامی نظامِ تعلیم کی نشوونما ہو سکے گی۔

بس میں ان گذارشات کے ساتھ اپنی معروضات کو ختم کرتا ہوں اور معذرت چاہتا ہوں کہ بات مجمل نہ رہ سکی۔

موجودہ نظامِ تعلیم کی تبدیلی

(ایم اے ایجوکیشن کی ایک طالبہ کے سوالات)

سوالات

۱۔ موجودہ نظامِ تعلیم سے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

۲۔ کیا یہ نظامِ تعلیم قومی مقاصدِ تعلیم کو پورا کرتا ہے؟ کیا یہ ممکن ہوگا کہ اس نظامِ تعلیم کی

خامیوں کی نشاندہی فرمادیں۔

۳۔ کیا یہ درست ہے کہ موجودہ ناقص نظامِ تعلیم کی وجہ سے قوم طبقات کا شکار ہوگئی ہے؟

۴۔ طبقاتی نظامِ تعلیم کو ختم کرنے کے سلسلے میں آپ کی کیا تجاویز ہیں؟

جواب: از نعیم صدیقی

ا۔ موجودہ نظامِ تعلیم ایک ایسی ٹوپی ہے جو ہمارے سر کے ناپ کے مطابق نہیں بنائی گئی ہے بلکہ یہ تنگ تکونی ٹوٹی سر پر رکھ کر ہتھوڑے کی ضربوں سے فٹ کردی گئی ہے۔ اور وقتاً فوقتاً فٹ کی جاتی رہتی ہے۔ اس کے کبھی ایک کونے کو بدلنے کے لیے اور کبھی دوسرے زاویے کو درست کرنے کے لیے ٹھکا ٹھک ہوتی رہتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ جن کیلوں سے یہ ہمارے سروں پر مستقلاً نصب کردی گئی ہے وہ کھوپڑی میں اُتر کر اپنی جگہ بنا چکی ہیں، اور اب ہم سوچ بھی نہیں سکتے کہ اسے الگ کرکے کوئی دوسرا بندوبست کیا جاسکتا ہے، کیونکہ ذرا سی جنبش بھی درد پیدا کرتی ہے۔ یہ ٹوپی جو غلامی میں ہمارے سروں پہ ٹھونسی گئی تھی، آزادی میں اس کی پکڑ اور سخت ہوگئی ہے۔

مندرجہ بالا اشارے کا ترجمہ یہ ہے کہ اس نظامِ تعلیم کو ہمارے نظریہ حیات، ہمارے ملی نصب العین، ہمارے بنیادی تصورِ پاکستان، ہمارے شعورِ اخلاق، ہماری معاشرتی قدروں اور ہماری تہذیب سے بلکہ لسانی ذوق و ضرورت اور آزادئ قوم کے مسائل سے کوئی تعلق نہیں۔ اُلٹا یہ نظامِ تعلیم ان سارے تقاضائے عوامِ ملت کو پاؤں تلے پامال کرتا ہے اور ہماری ہر قیمتی چیز کا مذاق اُڑا اُڑا کر اس نے ہمیں احساسِ کمتری میں مبتلا کردیا ہے۔ اِس نے ہماری خودی کو مُردہ، ہمارے ضمیروں کو کُشتہ اور ہمارے سروں کو دوسروں کے سامنے خم کردیا ہے۔ اب ہماری خاصی بڑی تعداد کو جس میں دانشور اور معلم اور صحافی اور ادیب اور لیڈر اور وزیر بھی شامل ہیں، ہر وہ لیکا پن اور اذیت اور بے جوڑ پن ضروری معلوم ہوتا ہے جو اس نظام نے پیدا کردیا ہے۔ اب اس کے محافظین اور پہرہ دار اور سنتری بھی خود ہمارے گھروں میں مسلمان ماؤں کی گودوں میں، اور مسلمان باپوں کے سایۂ شفقت میں پرورش پاکر ڈیوٹیاں سنبھالے ہوئے ہیں۔

اب تو اصلاحِ تعلیم اور تبدیلئ تعلیم کے جو تجربے ہوتے ہیں، وہ بھی اس قدر کہ مشین کا ایک کیل

اِدھر سے نکال کر اُدھر ڈال دیا۔ یا کسی پرزے کی جگہ ذرا مختلف ساخت کا کوئی اور پرزہ ڈال دیا۔ مشین وہی میکانوی ہے۔ یہ تو اتنا بھی گوارا نہیں کرتی کہ ہماری قومی زبان اُردو ذریعۂ تعلیم بن سکے۔

۲۔ موجودہ نظامِ تعلیم کی بڑی خامی یہ ہے کہ اس نے اسلام کے تصورِ انسان کو تو بالکل درخورِ اعتنا ہی نہیں سمجھا، مزید ستم یہ کہ پاکستان کے لیے اس کے نظریے کے مطابق انسانِ مطلوب کا تصور بھی اختیار نہیں کیا کہ جس کو تعلیم کا محور و مقصد بنا کر سارے پہلوؤں کو سوچا جائے۔

یہ نظام نوجوانوں کو اپنے دینی یا تہذیبی وجہِ امتیازی اور جداگانہ تشخص کا شعور دلا کر ان میں اُمنگیں پیدا نہیں کرتا کہ وہ انسانیت کے سامنے زندگی کے زیادہ اونچے اور پاکیزہ تصورات اور کردار کے نمونے لے کے جائیں اور بصد فخر اپنی متاعِ ملی کو پیش کر کے اس پر اثر انداز ہوں۔ اس طرح نوجوانوں کا تعاون ایک بہترین معاشرت و تہذیب کی تشکیل کے لیے حاصل کیا جائے۔

یہ نظام ہماری نسلوں کو یہ تربیت نہیں دیتا کہ وہ اپنے ایمان اور اپنے ضمیر کے مطابق بہترین اُصولوں اور قدروں اور روایتوں کو پروان چڑھائیں، اُن کے چراغوں کو روشن کریں اور اُن قیمتی ورثوں کے تحفظ کے لیے انہیں اگر دولت اور ہوسناکی اور بے حیائی اور جاہلی عصبیتوں کی چومکھی لڑائی میں اپنا مجاہدانہ کردار ادا کرنا پڑے تو وہ بصد مسرت لبیک کہہ اور اُچھل اُچھل کر اسے ادا کریں۔

وہ خود اپنے معاشرے میں مشنری اور معلم اور مصلح اور انقلابی بن کر کام کریں اور اس میں راستی اور بھلائی کی ایک رَو چلا دیں۔ مگر آج وہ فلموں اور آڈیو وڈیو کیسٹوں، عریاں تصویروں، کیمرہ بازی اور سیاسی دائروں میں ناچ کود کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ دلیل سے بات کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے، دلیل سن کر اس سے اثر نہیں لیتے، اختلافات وجہِ تشدد و تصادم بن جاتے ہیں۔ ان کو خیانت اور اسمگلنگ اور جرائم کے روگ، اپنا شکار بناتے ہیں۔ گھروں، گلیوں اور سڑکوں پر گندگی ہے، جہاں کہیں ذرا بھیڑ ہو تو دھکم پیل اور شور شرابا بڑھ جاتا ہے۔ اِن سارے وجوہ سے ذہنوں میں اضطراب اور اعصاب میں تناؤ ہے، جس کے نتیجے میں قسم قسم کی پیچیدہ بیماریاں انسان کا مقدر بن گئی ہیں

یہ عجیب تعلیم ہے جس کے سائے میں آزادی کے بعد ۴۱ برس سے زیادہ عرصہ گزارنے پر بھی ہم حالتِ خوف میں مبتلا ہیں اور کئی کئی قسموں کے خوف آسیب بن کر ہر فرد پر سوار ہیں۔

۳۔ یہ سوال بھی دراصل اُوپر کے سوال ہی سے متعلق ہے۔ ایک سے زیادہ تعلیمی سسٹم

اور معیارات، انگریزی والے اسکول اور اُردو والے اسکول، حاکم و مقتدر طبقے کے بچوں کے لیے درس گاہیں اور عوام کے لیے درس گاہیں، مُلکی مراکزِ تعلیم اور غیر مُلکی مشنری مراکزِ تعلیم، ان چیزوں نے قوم کو ذہنی طور پر طبقاتی جزیروں میں تقسیم کر دیا ہے۔

۴ ۔ طبقاتی نظامِ تعلیم کو ختم کرنے کا طریقہ "توحیدی" ذہنوں کے لیے سوچنا کچھ مشکل نہیں۔ ایک ہی معیار و مصارف کے اسکول! ایک ہی نصاب اور نصابی کتب، ایک ہی جیسی وردیاں اور فیسیں، ایک ہی زبان ذریعۂ تعلیم اور ذریعۂ امتحانات ۔ اس کے سوا کیا نسخۂ اصلاح ہو سکتا ہے؟

صرف ایک استثنیٰ ضروری ہے ۔ ہمارے دینی احکام اور فطرت کے واضح اشارات تقاضا کرتے ہیں کہ خواتین کے لیے جداگانہ یونیورسٹیاں اور کالج ہوں، مگر تعلیمی سسٹم، نصاب، فیسیں، ذریعۂ تعلیم اور معیارات یکساں ہونے چاہئیں۔

(بقیہ اسلامی قانون جامد کیوں؟)

قوانین میں ایک حصہ قواعد و ضوابط کا ہے۔ یہ صحیح معنوں میں قانون نہیں ہے، بلکہ معاملات کو سہولت سے سرانجام دینے کے لیے طریقۂ کار ہے۔ اس میں جو بہترین طریقہ ہو اس کو اختیار کرنا چاہیے۔

اس طرح اسلامی قانون، اسلامی شریعت دائمی (RIGID) اور تغیر پذیر (FLEXIBLE) دونوں حصوں کا مجموعہ ہے ۔ اس لیے اسلامی قانون انسانی فطرت کے لیے زیادہ سازگار ہے۔ اس لیے یہ ہر زمان اور ہر مکان کے لیے موزوں ہے۔

تصحیح

ترجمان القرآن ماہ دسمبر ۱۹۸۸ء ۔ مضمون علامہ ابن تیمیہؒ کا تفسیری ورثہ ۔ صفحہ ۱۸۴/۱۹ سطر نمبر ۱۱ میں امام بخاریؒ کے بجائے "امام فراہیؒ" پڑھا جائے۔ (ادارہ)